شیخ الاسلام حضرت الامام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

شیخ الاسلام حضرۃ الامام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

ناشر ——— ابوبکر قدوسی

اشاعت ——— جولائی 2000ء

مطبع ——— موٹروے پریس

MAKTABA QUDDUSIA
REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE - PAKISTAN. Ph: 7351124 - 7230585
Fax: 92 - 42 - 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت سید الانبیاء احمد مجتبیٰ

محمد بن عبداللہ ابن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم

ہمدردان اسلام کے لئے یہ زمانہ کیسا نازک آگیا ہے' کہ ایک طرف اسلام اور ہادی اسلام علیہ السلام کے منکروں کا زور ہے' وہ اپنی زور آزمائی ساری قرآن و رسالت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ کی تکذیب پر کر رہے ہیں' ان کی تصنیفات کے نام ہی ان کے مضامین کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں' مثلاً "عدم ضرورت قرآن" محمد بے کرامت' ترکب اسلام' رنگیلا رسول' وغیرہ۔ اس قسم کی تصنیفات سے مدعا ان منصفوں سے مدعا ان مصنفوں اور مبلغوں کا ایک اور صرف ایک ہے کہ خدا کے سچے دین اسلام کا نام دنیا سے مٹ جائے اور دنیا کے لوگ حضرت سید الانبیاء علیہ السلام کو (خاک بدہن اعداد) معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ بلکہ اور بھی کچھ سمجھیں۔

دوسری طرف یہ حالت ہے کہ اسلام قرآن اور رسالت محمدیہ کے ماننے والے اسلام اور رسالت کو ایسی شکل میں دکھاتے ہیں' جو مخالفین کی پیش کردہ تصویر سے زیادہ بھیانک ہے۔ مثلاً وہ دنیا کے سامنے اسلام کی تعلیم اور اسلام کا کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو یوں پیش کرتے ہیں۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

(الفقیہ امرتسر ۵ / جنوری ۱۹۲۱ء)

وہ یہ بھی کہتے ہیں

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

ان سب خیالات کا ملخص ہم ایک مستند تحریر سے دکھاتے ہیں' جو کسی شخص کی انفرادی رائے نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مرکزی جماعت کی شائع کردہ رائے ہے۔ جس سے ہمارا مراد "مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند" ہے' انجمن مذکور نے ایک رسالہ متعلقہ عقائد موسومہ "العقائد شائع کیا ہے' جس کے مؤلف کا نام سرورق پر یوں لکھا ہے:-

"حضرت علامہ حکیم ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری خطیب مسجد وزیر خاں لاہور۔"

رسالہ مذکورہ میں عقیدہ متعلقہ رسالت محمدیہ یوں لکھا ہے کہ:-

حضور انور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں تمام جہان حضور کے زیر حکومت و تصرف ہے' جو چاہیں کریں' جسے جو چاہیں دیں' جس سے جو چاہیں واپس لیں' تمام جہان ان کا محکوم' وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں۔" (ص ۳۵)

اس قسم کے اور عقائد بھی ہیں' جو آج اسلام کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں' مثلاً رسول اللہ ﷺ کو بشر کہنا کفر ہے اور رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہیں' اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاظر و ناظر ہیں (رسالہ مذکور ص ۲۴) اس قسم کے عقائد سے اسلام کی بڑی بدنامی ہوتی ہے' اور اسلام کے منکروں کو روکاوٹ اور ٹھوکر کا باعث ہوتے ہیں' جو کسی سے مخفی نہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایسی ذات جو تاریخی صفحات پر ہمارے سامنے کسی کا بیٹا ہے اور کسی کا باپ' پھر وہ خدایا خدا کے ساتھ متحد کیسے ہوا ایسے ہی موقع کے لئے شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

ہر کس از درست غیر ناکہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عیسائی مذہب جو حسب تعلیم قرآن خدائی مذہب تھا' عیسائیوں کی غلط فہمی اور غلط گوئی سے دوسری شکل اختیار کر گیا' جس سے ہر ایک ذی فہم انسان نفرت کر کے ناقابل قبول جانتا ہے اور قرآن مجید نے اس پر بڑا سنگین

فتویٰ لگایا ہے' ارشاد ہے:-

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾

"اللہ کے نزدیک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں' اللہ ہی مسیح ہے۔"

کیونکہ ایسے خیالات اسلامی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایک طرف منکرین اسلام کے لیے رکاوٹ ہیں تو وہ دوسری طرف قائلین اسلام کے حق میں بھی موجب ضلالت اس لئے یہ مختصر رسالہ لکھا گیا کہ فریقین کی غلط فہمی دور ہو سکتے۔ (وما توفیقی الا باللہ) خادم دین اللہ۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسر جنوری ۱۹۲۸ء ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ۔

اصل مقصود

آج جس مسئلہ پر ہم قلم اٹھانے کو ہیں' اس کے متعلق قرآن' حدیث اور کتب فقہ میں ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے' مگر مسلمانوں کی شومی قسمت سے یا جدب پسندی سے اس مسئلہ میں بھی ایسا اختلاف پیدا ہوا ہے' کہ وہ جائز اور ناجائز یا راجح مرجوح سے گزر کر کفرو شرک کی حد تک پہنچ گیا ہے' یعنی ایک فریق دوسرے کو کافر اور مشرک کہتے سنے جاتے ہیں۔ یا للعجب و ضیعۃ الادب۔

غلو اور تنقیص

اس نزاع کے متعلق ایک فریق دوسرے کو ضائی کہتا ہے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو توہین و تنقیص کنندہ اور بے ادب قرار دیتا ہے' اس لئے ہر فریق دوسرے فریق کو کافر کہنے میں اپنے کو حق پر جانتا ہے' اس مضمون میں ہم انہی دو لفظوں (غلو اور تنقیص) کی تشریح ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! واضح رہے کہ غلو اور تنقیص کے معنے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس شخص کا اصل مرتبہ ثابت اور مبرہن کیا جائے' پہلے اس

سے کہ میں آنحضرت ﷺ کے متعلق ذکر کروں' مطلب سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

کوئی شخص انٹرمیڈیٹ پاس ہے' جس کی سند اس کے پاس ہے اور خود بھی اپنے کو میٹرک پاس کہتا ہے' ایسے شخص کو پرائمری یا مڈل پاس کہنا اس کی تنقیص ہے اور ایف۔ اے یا بی۔ اے کہنا غلو ہے' پس تنقیص کے معنی یہ ہوئے کہ کسی کے اصل رتبے سے اس کو کم کرنا اور غلو کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اصل رتبے سے بڑھانا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں رسول نبی اور ((وجیھًا فی الدنیا والاخرہ)) فرمایا' جو لوگ ان کو اس رتبے سے ترقی دے کر خدا کی ابنیت تک پہنچاتے تھے' ان کے حق میں فرمایا:۔

﴿ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ ﴾ (پ ٦ ع ١٤)

"یعنی اے کتاب والو! مسیح کے حق میں ناحق غلو نہ کرو۔"

اسی طرح سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا منصب عالی ان لفظوں میں مقرر فرمایا:۔

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَسُوْلًا ﴾ (پ ١٥ ع ١٠)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے اللہ پاک ہے اور میں بشر رسول ہوں۔"

پس ذات رسالت پناہ کا اصل منصب یہ ہے۔ بشر اور رَسُوْل اس سے کمی کرنا یعنی بشریت مان کر رسالت کا انکار کرنا تنقیص شان ہے' جو بہ اصطلاح شریعت کفر ہے۔ اور اس سے مزید ترقی کرنا یعنی بشر رسول کے سوا کوئی اور لقب تجویز کرنا جو الوہیت کی شان تک پہنچتا ہو غلو ہے' پس ہمارے سامنے مسلمانوں کے دو گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو حسب اعلانِ خداوندی منصب رسالت و بشریت محمدیہ پر اعتقاد رکھتے ہیں' اس گروہ کا نام ہم اپنی اصطلاح میں فرقہ عادلہ تجویز کرتے ہیں' دوسرا گروہ وہ ہے جو اعلان خداوندی سے تجاوز کر کے ذات رسالت کو بزعم خود ترقی دے کر غلو کے درجہ پر پہنچتے ہیں۔ اس گروہ کا نام ہم اپنی اصطلاح میں فرقہ غالیہ تجویز کرتے ہیں' چونکہ ہمارے نزدیک عادلہ گروہ حق پر ہے' اس لئے ہم اس گروہ کی تائید میں آیات

اور احادیث پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

بشریت کے معنی کوئی تفصیل نہیں چاہتے' بلکہ مختصر معنی بشریت کے آدم زاد ہیں' یا بالفاظ دیگر انسان ہیں۔

پہلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ آپ کا حسب نسب سب دنیا جانتی ہے' آپ کے والد کا نام عبداللہ' دادا کا نام عبدالمطلب' مجموعہ (محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب) ہے' یہ آپ کی بشریت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں' چنانچہ ارشاد ہے:۔ ﴿ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ ﴾ اے رسول اپنی بیویوں کو کہہ دیجئے۔

بیوی کا ہونا بشریت اور انسانیت کا اعلیٰ ثبوت ہے' کیونکہ خدا تعالیٰ کی بیوی نہیں ہے۔ صاف ارشاد ہے:۔ ﴿ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾

تیسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی تیسری دلیل آپ کا صاحب اولاد ہونا ہے' چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ ﴾ (اے ہمارے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو کہہ دیجئے) اولاد کا ہونا بشریت اور انسانیت کا کافی ثبوت ہے' کیونکہ خدا کی کوئی اولاد نہیں ہے' ارشاد ہے:۔

﴿ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴾ (خدا نے کسی کو نہیں جنا نہ اس کو کسی نے جنا)

چوتھی دلیل آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کھانا نوش فرماتے تھے۔ اسی لئے کفار مخالفین کہتے تھے۔ ﴿ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ ﴾ (کیا وجہ ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے) یہ مقولہ کفار کا قرآن مجید میں نقل ہوا ہے۔ اس کے جواب میں ارشاد خداوندی جو آیا ہے' اس میں آنحضرت کے کھانا کھانے کو تسلیم کر کے جملہ انبیاء کو اس وصف میں شریک گردانا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

﴿ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴾

"جو رسول ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے' ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا جو کھانا نہ کھائیں- وہ ہمیشہ زندہ نہیں رہے-"

یہی کھانا کھانے کا وقت خدا تعالیٰ نے مسیحؑ اور ان کی والدہ کی الوہیت باطل کرنے اور انسانیت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے- ارشاد ہے:-

﴿ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ﴾

"یعنی مسیح اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھایا کرتے- اس لئے یہ دلیل سب دلیلوں سے قوی تر ہے-"

دلیل پنجم پانچویں دلیل آنحضرت ﷺ پر مثل دیگر انسانوں کے موت کا وارد ہونا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:-

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَ اِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ﴾

"اے نبی تم بھی وفات پا جاؤ گے' اور یہ لوگ بھی مرجائیں گے-"

وفات رسول کے بعد کے واقعات بتانے کی ضرورت نہیں قبہ خضرا جس کی زیارت حاجی لوگ کر کے آتے ہیں' آنحضرت ﷺ کی وفات کا بین ثبوت- خدا تعالیٰ کے لئے موت نہیں- ارشاد ہے:-

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ﴾

"اس زندہ خدا پر بھروسہ کرو جو کبھی نہیں مرے گا-"

وفات بھی ثبوت ہے' آنحضرت ﷺ کی بشریت اور انسانیت کا-

چھٹی دلیل ارشاد خداوندی ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ "اے رسول ان کو کہہ دے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں-"

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی شان بشر کے ساتھ مثل کا لفظ بھی بڑھا دیا گیا' اور یہ قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ انسانوں کی طرح انسان تھے' کس امر میں؟ آدم زاد ہونے میں- کھانے پینے میں' صاحب اولاد ہونے میں بھول چوک میں- چنانچہ آپ نے خود فرمایا:-

((انا بشر النبی کما تنسون فاذا نسیت تذکرونی)) (الحدیث)

"میں بشر ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو' جب میں بھول جاؤں
تو یاد کرا دینا۔"

یہ آیات محکمات اور بینات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ اپنے دلائل میں ایسی واضح اور زبردست ہیں کہ انجمن حزب الاحناف ہند کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

"نبی وہ بشر ہے جو خدا کی طرف سے آئے' اور احکام الٰہی اس پر بذریعہ
وحی آتے ہوں' جس قدر انبیاء گزرے سب بشر تھے۔"

(العقاد ص ۱۵'۱۶ شائع کردہ مرکزیا نجمن حزب الاحناف لاہور)

یہی عقیدہ سب مسلمانوں کا متفقہ ہے اور قرآن و حدیث اس پر ناطق ہیں۔

نوٹ اہل منطق کا قول ہے لا تشکیک فی الماھیۃ جس کو وہ فخریہ بیان کیا کرتے ہیں او اس پر وہ دلائل بھی دیتے ہیں' یعنی ماہیت متقررہ نوعیہ کے افراد میں بحیثیت ماہیت فرق نہیں ہوتا۔ جن طالب علموں نے مسلم اور اس کی شرح ملا حسن اور قاضی مبارک وغیرہ پڑھی ہیں اور جن اساتذہ نے یہ پڑھائی ہیں' ان سے یہ حقیقت مخفی نہیں۔ عالم الغیب خدا نے بشر کے ساتھ مِثْلُکُمْ کا لفظ بھی اسی لئے بڑھایا تا کہ یونانی منطقی اور ان کے اتباع اپنے اصول کے موافق قرآن کو پا کر ایمان لائیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بشریت کے بعض افراد میں خاص وصف زائد علی البشریت ہونا ہے قرب اور خطاب الٰہی اسی کا نام ہے' اس کا بیان یُوْحٰی اِلَیَّ میں فرمایا گیا۔

پس مقام مسرت ہے کہ انجمن حزب الاحناف اور جماعت اہل توحید دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ بشر رسول صاحب الوحی تھے۔ (ﷺ)

شکر لللہ کہ میانِ من و او صلح فتاد
صلح جویاں بخوشی سجدہ شکرانہ زوند

اس کے مخالف عقیدہ

باوجودیکہ یہ عقیدہ سب مسلمانوں میں متفقہ ہے۔ شرح عقائد و کتب اسلامیہ میں رسول کی تعریف میں بشر کا لفظ داخل کیا گیا ہے۔

هو بشر بعثه الله لتبليغ الاحکام

بااین ہمہ بعض اطراف سے یہ آواز آتی ہے' جس کا اظہار پر جماعت علی شاہ علیپوری نے اپنی تقریروں میں بارہا کیا' اسی کے اثر سے جلسہ عرس امام امرتسر میں تقریریں کی گئیں کہ رسول اللہ ﷺ اور خدا میں فرق کرنا آپ کو بشر جاننا کفر ہے۔ پیر صاحب مذکور اپنی تقریروں میں یہ آیت پڑھا کرتے ہیں۔

﴿ قَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا ﴾

"یعنی کافروں کا مقولہ ہے کیا بشر ہم کو ہدایت کرتے ہیں' پس وہ کافر ہو گئے۔"

پیر صاحب موصوف نے اس آیت قرآنیہ کا مطلب یہ سمجھا اور اپنے مریدوں کو سمجھایا ہے کہ کفروا کی تفریع بشر کہنے پر ہے حالانکہ کفار کا استفہام یھدون پر تھا' اور اسی کو مستبعد سمجھتے تھے۔ بشر پر استفہام نہیں ہو سکتا' کیونکہ بشریت کی تسلیم خود انبیاء کرام نے کفار کے جواب میں فرما دی تھی۔

﴿ قَالَتْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِہٖ ﴾ (پ ۱۳ ع ۱۴)

"رسولوں نے کفار کے جواب میں کہا۔ یقیناً ہم تمہارے جیسے بشر ہیں' لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے' احسان کرتا ہے' یعنی وحی نازل کرتا ہے۔"

یہ آیت بصراحت النص دلالت کرتی ہے کہ پیر صاحب کا مطلب جو وہ سمجھے اور سمجھایا بالکل غلط اور تعلیم رسل کے خلاف ہے۔

اس طرفے پر طرہ

پیر صاحب اور ان کے مریدین نصوص قرآنیہ سے جب مجبور ہو جاتے ہیں اور اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اہل توحید کے منہ سے سنتے ہیں تو وہ گھبراہٹ میں یا اپنے علم و دیانت میں یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ "یہ حکم خداوندی ہے' خدا جس طرح چاہے بولے باپ اپنے عالم فاضل بیٹے کو نام لے کر بلائے تو عوام کو لائق نہیں کہ اسی طرح سے اسے بلائیں۔ اس لئے اس آیت سے بقول پیر صاحب یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ کو بشر کہنا جائز ہے۔"

ہم پیر صاحب کے اس مجتہدانہ جواب کی قدر کرتے ہیں' مگر نہایت افسوس بلکہ محبت سے عرض کرتے ہیں کہ پیر صاحب! اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے' اور مقولہ خداوندی ہے' خدا کے جملہ اسمیہ خبریہ میں صداقت ضروری ہے' (خاص کر آپ کے نزدیک کیونکہ آپ عقیدہ امکان کذب باری کو کفر سمجھتے ہیں) پس اس جملہ خبریہ کی نسبت جو خدا کا مقولہ ہے' صدق کا اعتقاد رکھنا چاہئے' یا کذب کا' یعنی یہ اعتقاد رکھیں کہ خدا نے جو یہ جملہ فرمایا صحیح ہے' یا یہ سمجھیں کہ غلط ہے' اگر صحیح ہے تو ہمارا آپ کا اتفاق اگر غلط ہے تو امکان کذب باری' کیا یہاں تو اطلاق کذب باری ہو گیا' یاد رہے کہ ہمارا سوال قول پر نہیں ہے' بلکہ عقیدہ پر ہے' ہم آپ کی خاطر مانے لیتے ہیں کہ کوئی شخص ساری عمر رسول اللہ کو بشر نہ کہے' بلکہ حسب فتوی آپ کے تراویح میں جب حافظ قرآن اس آیت پر آئے' تو اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ آیت بھی چھوڑ دے' بلکہ آپ اگر حکم جاری کر دیں' کہ آپ کے مریدین جو قرآن مجید چھپوائیں تو یہ آیت بھی متن میں درج نہ کریں حاشیہ پر لکھ دیں تاکہ قول کی نوبت نہ آئے' مگر بلحاظ اخبار خداوندی عقیدہ ضرور رکھنا ہو گا' ورنہ یہ کہنا ہو گا' کہ خدا نے غلط کہا ہے:-

لطیفہ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و والنحل میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک گروہ ایسا گزرا ہے جن کا عقیدہ تھا کہ جبرائیل نے خیانت سے نبوت علیؓ کی محمدؐ کو دے دی- اس خیانت مجرمانہ پر علامہ موصوف لکھتے ہیں فَکَفَرُوْہ یعنی اس فرقہ رافضہ نے اس پر کفر کا فتوی لگایا ہے' پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نزدیک رسول کو بشر کہنا جب کفر ہوا تو اب منطقی شکل کا صغری کبری یوں بنے گا-

صغریٰ خدا نے رسول کو بشر کہا-

کبریٰ جو رسول کو بشر کہے وہ کافر ہے-

نتیجہ اگر گویم زبان سوزد-

مختصر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام نوع بشر سے تھے۔ اور مخاطبین الٰہی اور مقبولان بارگاہ تھے۔ خدا کی وحی سے بولتے تھے۔ مَایَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ان کی شان میں نازل ہوا۔ چونکہ یہ عقیدہ ہر مسلم بلکہ غیر مسلم میں بھی متفقہ ہے' اس لئے ہم اس کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے' بلکہ گروہ غالیہ کی توہمات کا ذکر کر کے جوابات دیتے ہیں' بلکہ اس کے دوسرے فردعات پر توجہ کرتے ہیں۔

توہمات اور ان کے جوابات ہم شروع میں کہہ آئے ہیں کہ رسالت کے متعلق غلو کرنے والے غالی گروہ ہیں اور قرآن مجید نے ﴿ لَا تُغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ کا ارشاد فرمایا گروہ غالیہ بھی اپنی سند قرآن مجید سے دیتے ہیں' جو دراصل ان کا استدلال نہیں' بلکہ توہم ہے' کہتے ہیں کہ قرآن میں جو ارشاد ہے' وہ ہمارے دعوے کی دلیل ہے' جو آیت وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (پ ۹ ع ۱۶)

کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کے فعل رمی کو خدا نے اپنا فعل قرار دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا اور نبی ایک ہیں۔

جواب یہ شبہ حقیقہ قرآن مجید کی اصطلاحات او اسلوب بیان سے ناواقفیت یا تعصب مذہبی پر مبنی ہے' حقیقت یہ ہے کہ فعل کا صیغہ جیسے کسی کام کی ابتدا پر بولا جاتا ہے اسی طرح اس کی تکمیل پر بھی وہی صیغہ بولا جاتا ہے' اسی آیت کے پہلے الفاظ اس وہم کے دور کرنے کو کافی ہیں' ارشاد ہے۔ ﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ﴾ یعنی تم مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو قتل کیا' یعنی تمہارے فعل قتل کی تکمیل خدا نے کی۔ یہ بالکل صحیح ہے' بقول طائفہ غالیہ لازم آتا ہے' کہ صحابہ کرام بھی خدا کی ذات سے متحد ہو گئے ہوں' کیونکہ ان کے فعل قتل کو خدا نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے' ہمارے دعوے کی دوسری دلیل وہ آیت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ ﴾

(پ ۲۷ ع ۱۵)

"یعنی اے کھیتی کرنے والے زمیندارو! بتاؤ کہ جو کھیتی باڑی تم کرتے ہو اس کی زراعت تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں"

حرث اور زراعت دونوں مترادف لفظ ہیں' مقام غور ہے کہ جس فعل "حرث" کو مخاطبوں کی طرف منسوب کیا ہے' پھر اسی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر کیا زراعت پیشہ زمیندار عبداللہ' رام دتا اور نتھا سنگھ وغیرہ سب خدا کے ساتھ متحد ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہی اصول ہے کہ انسان کسی فعل کی ابتدا کرتا ہے۔ اس کی اتنی ہی طاقت ہے کہ کام کی ابتداء کر سکے۔ تکمیل خدا کرتا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت جب آنحضرت ﷺ نے مٹھی بھر کر کنکریاں پھینکیں۔ تو کفار کی آنکھوں میں پہنچا دینا' خدائی فعل تھا۔ اسی لئے فرمایا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی خدا نے وہ کنکریاں ان کی آنکھوں میں پہنچائیں۔

بیرونی قرائن سے قطع نظر خود اسی آیت وَ مَا رَمَیْتَ (الآیہ) پر غور سے نظر کی جائے تو طائفہ غالیہ کا جواب کافی مل سکتا ہے' آیت کے سارے لفظوں پر غور کیجئے۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ۔ اذ رمیت میں اثبات ہے' اس امر کا کہ آنحضرت ﷺ نے کنکریاں ماریں۔ اس سے پہلے رمیت کے ساتھ نفی ہے' پس اگر یہ نفی اور اثبات ایک ہی چیز کے متعلق ہیں' تو یہ صریح اختلاف ہے جو قرآن مجید کی شان کے خلاف ہے۔ ہاں ہمارے پیش کردہ اصول کے مطابق معنی آیت کے یہ ہیں۔

"اے نبی! جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں۔ تم نے ان کو کفار کی آنکھوں تک نہیں پہنچایا۔ بلکہ خدا نے پہنچا کر اس فعل کی تکمیل کی۔"

یہ بالکل صحیح ہے' جیسے لم تقتلوھم ولکن اللّٰہ قتلھم۔ اس سے قبل کی آیت اپنے معنی میں صحیح ہے' مختصر یہ ہے کہ طائفہ غالیہ کے استدلال پر ہماری طرف سے نقض اجمالی یہ ہے کہ ان کے استدلال سے نہ صرف ذات رسالت ذات خدا سے متحد ہوئی بلکہ تمام مسلمانان بلکہ جمیع زمینداران (نتھا سنگھ اور رام دتا) کا بھی خدا کے ساتھ متحد ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ بالکل وہی سناتن دھرمی عقیدہ ہے جس کو وہ ان

لفظوں میں بیان کیا کرتے ہیں ؎

رام راجا رام پر جارام ساہو کار ہے
بسے نگری جیوے راجا دھرم کا او پکار ہے

دوسرا وہم طائفہ غالیہ اپنے عقیدہ پر ایک اور آیت پیش کیا کرتے ہیں' جس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ﴾ (پ ۲۶ ع ۹)

"اے رسول جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں' وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں ہے۔"

کہتے ہیں کہ اللہ نے رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا تو وحدت ثابت ہو گئی۔

جواب یہ دلیل بھی قرآن مجید کی اصطلاحات نہ سمجھنے پر مبنی ہے' قرآن شریف کی اصطلاح میں رسولوں کے ساتھ معاملہ کرنا تصدیق ہو یا تکذیب' وہ خدا کے ساتھ کرنا ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:۔ مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول کا کہا مانا پس اس نے خدا کا مانا۔

نیز فرمایا:

﴿ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾

"اے نبی کفار تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ کی کرتے ہیں۔"

یعنی دراصل معاملہ خدا سے ہے۔

اس آیت کو بخوبی سمجھانے کے لئے ہم ایک دوسری آیت پیش کرتے ہیں' جو گروہ غالیہ کے تمام شبہات دور کرنے کے لئے کافی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ ﴾ (الآیہ) (پ ۴ ع ۶)

"یعنی حضرت محمد (بن عبداللہ) اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔ بھلا اگر وہ مرجائیں یا قتل کئے جائیں' تو تم لوگ دین

سے پھر جاؤ گے؟"

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو محل موت قرار دیا ہے' اس آیت کی تفسیر صحیح بخاری میں یوں ملتی ہے' جب آنحضرت علیہ السلام کا انتقال ہوا تو از راہ محبت صحابہ میں اضطراب پیدا ہوا جو ہونا لازمی تھا۔ اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ پڑھا جس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

﴿ من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قدمات و من کان منکم یعبداللہ فان اللہ حی لا یموت قال اللہ تعالٰی ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ﴾ (الآیہ)

"جو شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا (وہ نہ کرے) کیونکہ محمد (ﷺ) فوت ہو چکے ہیں' اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (وہ کرتا رہے) کیونکہ اللہ زندہ ہے (وہ کبھی) نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں) فرماتا ہے محمد ایک رسول ہی تو ہیں' ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے۔"

یہ آیت اور روائت رسالت اور الوہیت میں تقابل موت اور حیات کا بتا رہی ہے یعنی ذات رسالت کو محل موت اور خدا کی ذات کو دائم الحیات ثابت کرتی ہیں' یہی معنی ہیں' ارشاد الٰہی کے هُوَ الْحَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی اللہ دائم زندہ ہے اور کوئی نہیں۔

وہم نمبر ۳ طائفہ غالیہ کی طرف سے یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے۔

﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ﴾

"یعنی ایمان والو! اللہ کا کہا مانو اور رسول کا جب وہ تمہیں بلائے اس کام کے لئے جو تمہیں روحانی زندگی بخشے۔"

اس آیت سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ دعا صیغہ مفرد ہے' حالانکہ اس کا مرجع تثنیہ (اللہ اور رسول) ہے۔ اس مفرد صیغہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ اور

رسول ایک ہیں۔

جواب نمبر۳ یہ بھی ایک وہم اور عدم فہم قرآن ہے۔ دعا کی ضمیر صرف رسول کی طرف ہے' مضمون آیت کا یہ ہے کہ اللہ تو بذات خود استجابت کا حقدار ہے اس کے لئے اِذَا دعاکم لما یحییکم کی شرط اس میں نہیں۔ رسول کی دو حیثیتیں ہیں۔ پہلی بشریت کی۔ دوسری رسالت کی' اس لئے رسول کی۔ استجابت کے لئے اذا دعاکم لما یحییکم کی شرط لگائی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات ہر حال میں مانو او رسول کا وہ حکم تم پر واجب العمل ہے جو رسالت کی حیثیت میں ہو۔ اس کی منطقی اصطلاح سمجھنا اور سمجھانا بالکل آسان ہے۔ استجیبو اللہ قضیہ ضروریہ [۱] مطلقہ اور استجیبوا الرسول قضیہ مشروط عامہ کا مادہ ہے۔ فافھم ولاتکن من القاصرین

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا ہے۔

"جب میں تم کو دین کا حکم دوں' تو اس پر عمل کرو اور جب دنیا کا کوئی کام بتاؤں' تو تمہیں اختیار ہے کیونکہ تم دنیا کے کام مجھ سے اچھے جانتے ہو۔" (مشکوٰۃ)

بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کو مغیث کے ساتھ نکاح رکھنے کی بابت فرمایا' اس نے عرض کیا حضور آپ حکم فرماتے ہیں یا مشورہ دیتے ہیں حضورؐ نے فرمایا مشورہ دیتا ہوں بریرہ نے عرض کیا حضور میں اس مشورہ پر عمل نہیں کر سکتی۔ (مشکوٰۃ)

بریرہ اور آنحضرت ﷺ کے اس مکالمہ سے صاف ثابت ہے کہ جو تشریح ہم نے آیت موصوفہ کی کی ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ اگر وہ معنی ہوتے جو غالیہ کہتے ہیں' تو بریرہ کی یہ عرض معروض نہ صرف بے جا ہوتی بلکہ موجب عذاب اور باعث عتاب ہوتی۔

---

[۱] منطق کے اس استدلال پر بریلویہ نے اعتراض کیا اور مولانا نے اس کا جواب نور توحید میں دیا ہے۔ ۱۲۔

وہم نمبر ۴ غالیہ کی طرف سے اللہ رسول کی وحدت پر یہ آیت بھی پیش ہوتی ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ﴾ (پ ۱۰ ع ۱۴)

کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مرجع (اللہ اور رسول) تثنیہ ہے۔ ضمیر (ہ) مفرد ہے' ثابت ہوا کہ اللہ اور رسول ایک ہیں۔

جواب نمبر ۴ اس آیت کے سمجھنے میں بھی وہم کا اثر ہے۔ علم نحو کے مطابق تقدیر کلام پاک یوں ہے۔

وَاللّٰہ احق ان یرضوہ و رسولہ احق ان یرضوہ

آیت موصوفہ میں دراصل دو جملے ہیں۔ احق پہلے جملہ میں اللہ کی خبر ہے' دوسرے میں بھی محذوب منوی ہو کر رسول کی خبر ہے' اس آیت کی مثال میں ہم دوسری آیت پیش کرتے ہیں۔ ان اللہ بریٔ ممن المشرکین ورسولہ

اس آیت میں بھی بریٔ' رسولہ کی خبر ہے جو محذوف منوی ہے' بلکہ اگر اسی آیت (پیش کردہ طائفہ غالیہ) پر غور کیا جائے' تو وہم دور ہو سکتا ہے' اس طرح کہ رسولہ مرکب اضافی ہے' مرکب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ الگ الگ ہوتے ہیں' خاص کر اس صورت میں جس میں مضاف بذاتہ ذواضافت لفظ ہو' جیسے ابن اور رسول وغیرہ ورنہ اضافت الشی الی نفسہ لازم آئے گی۔

پس ثابت ہوا کہ غالیہ کا وہم مضمون آیت سے بالکل بعید ہے۔

آسان راستہ کون مسلمان نہیں جانتا کہ نماز کے قعدہ میں کلمہ شہادت کے یہ الفاظ ہر مسلمان کے منہ سے نکلتے ہیں جن کو وہ راہ نجات سمجھتا ہے۔

((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ))

پہلا حصہ الوہیت کا ہے دوسرا رسالت کا۔ رسالت کے ساتھ عبدیت کو بھی جوڑ دیا گیا ہے' عبد اور مالک میں جو فرق ہے وہ سب جانتے ہیں' پس معنی اس کلمہ شریف

کے یہ ہیں کہ جملہ صفات الوہیت خدا کی ذات سے مخصوص ہیں اور جملہ صفات عبدیت حضرت محمد بن عبداللہ میں موجود ہیں' پھر الوہیت سے رسالت کی وحدت کیسے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ۔

تکمیل آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد۔ قبل نبوت حصہ زیر بحث نہیں ہے' اس میں گروہ عادلہ و غالیہ غالباً دونوں متفق ہوں گے کہ آنحضرت بشر تھے' طائفہ غالیہ کو غلطی بعد نبوت کے حصے میں لگی ہے' اس تکمیل میں مختصر طور پر ہم ان کے شبہ کا ازالہ کرتے ہیں' پس غور سے سنیں۔ نبوت کی ابتداء نزول قرآن سے ہو گی۔ نزول قرآن کیلئے یہ الفاظ ہیں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (پ ۱۵ ع ۱۳)

"سب تعریفیں خدا کے لئے مخصوص ہیں' جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی"

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ابتداء نبوت کے وقت آنحضرتؐ کو اپنے بندے کے لقب سے ملقب کیا ہے' جو بشر کی حدود میں اعلیٰ بشر ہوتا ہے۔ بعد نبوت شب معراج میں جو قرب خداوندی حضور کو حاصل ہوا وہ سب قربوں سے بلند تر تھا۔ اس میں ارشاد ہے۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ[1] لَيْلًا ﴾ (پ ۱۵ ع ۱)

"پاک ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرائی۔"

باوجود شب معراج میں اعلیٰ قرب ہونے کے عبد سے زیادہ نہیں کہا گیا' کیونکہ اس سے اوپر بشر کے لئے کوئی درجہ نہیں ملاحظہ ہو انبیاء علیہم السلام کے حق میں ارشاد خداوندی:

---

[1] احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں۔ عبد' روح مع الجسد کا نام ہے۔ ملفوظات حصہ سوم ص ۴۴ طبع بریلی۔

﴿ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيمَ وَ اِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ أُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴾ (پ ۲۲ ع ۱۳)

"(خدا فرماتا ہے) ہمارے بندوں ابراہیم- اسحاق اور یعقوب کے احوال سنا جو بڑی بینائی اور معرفت خداوندی رکھتے تھے-" اَللّٰهُمَّ صَلِّي عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ-

وہم پنجم اس وہم کی بنا اس حدیث پر ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی دعا کے الفاظ یوں آئے ہیں-

﴿ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَ فِي بَصَرِيْ نُوْرًا وَ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَ عَنْ يمينى نورا و عن يسارى نورا وفوقى نورا و تحتى نورا واما مى نوٗرا او خلفى نورا و اجعل لى نورا و فى لسانى نورا و عصى نورا و لحمى نورا دومى نورا و شعرى نورا و بشرى نورا و اجعل فى نفسى نورا و اعظم لى نورا اَللّٰهُمَّ اعطنى نورا ﴾

"اے اللہ کر میرے دل میں نور اور میری آنکھ میں نور اور میرے کان میں نور اور میرے داہنے نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور پیدا کر میرے واسطے نور ار میری زبان میں نور اور میرے پٹھوں میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے بدن میں نور اور کر میری جان میں نور اور بڑا کر واسطے میرے نور اے اللہ اور بخش مجھ کو نور-"

اس دعا سے یوں استدلال کیا جاتا ہے' کہ جب آنحضرت بلحاظ قبولیت دعا کے نور ہی نور نور ہو گئے تو بشر کہاں رہے؟

اسی کو کہتے ہیں' یتشبت بالحشیش ڈوبتے کو تنکے کا سہارا-

جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا ہے' وہی سب مسلمانوں کو دینے کا خدا نے وعدہ فرمایا- قرآن مجید ملاحظہ ہو- ﴿

يَجْعَلْ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ (پ ۲۷ ع ۲۰) خدا تم کو نور دے گا' جس کے ساتھ تم چلو گے۔" جب خدا نے مسلمانوں کو خاص کر پہلے طبقہ کو حسب وعدہ نور بخشا تو وہ سب نور میں مل کر ایک ہو گئے؟ کبرت کلمۃ تخرج من انواھھم اسی لئے مولانا حالی مرحوم نے طائفہ غالیہ کا گلہ کیا ہے۔

تصویر طائفہ غالیہ کی تصویر مولانا حالی مرحوم نے خوب دکھائی ہے

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

معذرت آنحضرت بلکہ انبیاء کرام اپنے باپوں کی اولاد اور اپنی اولادوں کے باپ تھے جس کا نتیجہ صاف ہے کہ ان کی بشریت بدیہی ہے' اور اہل منطق کہا کرتے ہیں کہ بدیہی کسی علم کا مسئلہ نہیں ہوتا اور نہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے پھر ہم نے اتنے دلائل کیوں دیئے' ممکن ہے' کوئی منطقی اہل علم ہمارے فعل کو عبث قرار دے کر ہمیں موردِ عتاب ٹھہرائے' اور یہ کہے کہ آپ نے اصول "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کو ملحوظ نہیں رکھا' تو ایسے اہل علم کی خدمت میں ہماری معذرت ہے کہ بدیہی کو اہل عبادت جب پردہ جہالت میں اس درجے تک چھپا دیں' جس کا اظہار مولانا حالی نے بڑے درد دل سے کیا ہے' تو اس پر تنبیہہ کا لانا لازم ہے' اساطین منطق نے اس کی اجازت دی ہے' چنانچہ خدا کی ہستی کا ثبوت اعلیٰ بدیہیات سے ہے' مگر چونکہ دہریہ غالیہ منکر ہو جاتے ہیں' اس لئے ان کے لئے تنبیہات کا بیان کرنا جائز ہے' اسی طرح ہم نے کیا۔ والعذر عن کرام الناس مقبول

طائفہ غالیہ کی بلند پروازی یہاں تک تو ہم الوہیت اور رسالت کا ذکر کرتے

آئے ہیں' اب ہم بتاتے ہیں کہ غالیہ کا ایک گروہ اس سے بھی ترقی کر گیا- اس کی تعری اور تعارف ہم نہیں کرا سکتے- ان کے عقیدہ کے الفاظ ہی نقل کر دیتے ہیں- جو یہ ہیں-

عقائد قادریہ این است

اول محی الدین	آخری محی الدین	ظاہر محی الدین
باطن محی الدین	حاضر محی الدین	ناظر محی الدین
قادر محی الدین	میراں محی الدین	شنوا محی الدین
بینا محی الدین	گویا محی الدین	زندہ محی الدین
ذات محی الدین	صفات محی الدین	صورت محی الدین
معنی محی الدین	جان محی الدین	جہان محی الدین
اینجہان محی الدین	آنجہان محی الدین	ہردم محی الدین
ہے بھی محی الدین	ہوسی محی الدین	المحی الدین
ہوالمحی الدین	یا محی	یا محی
یا محی	فسیکسفیکھم اللہ و ھو السمیع	

رسالہ درود شریف "کبریت احمر" مصنفہ میاں صاحب سید محی الدین شاہ سجادہ نشین بٹالہ (پنجاب)

دوستو! اگر یہی اسلام کی تعلیم ہے تو یہ تعلیم تو اسلام سے قبل عرب' ہند وغیرہ سارے ممالک میں جاری ساری تھی-

ناظرین! ہم نے یہ الفاظ جواب دینے کو نقل نہیں کیئے' بلکہ اس لئے نقل کیئے ہیں کہ امت مسلمہ کے افراد غور کریں کہ اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے- آہ!

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

(جو رونا چاہے وہ اسلام کی حالت پر روئے)

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

علم غیب

مسئلہ علم غیب بھی مسلم فرقوں میں متفق علیہ ہے' قبل اس کے کہ اس کے دلائل بیان کریں' موضوع مسئلے کا بتانا ضروری ہے' قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کے علم غیب کا ذکر جن لفظوں میں کیا گیا ہے' اس کو سامنے رکھنا لازم ہے' تاکہ موضوع مسئلہ سامنے آجائے۔ ارشاد ہے:

﴿ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (پ ۷ ع ۱۳)

"یعنی علم غیب کے خزانے خدا ہی کے پاس ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ اس (خدا) کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ جنگلوں اور سمندروں کی چیزوں کو بھی جانتا ہے' کوئی پتا بھی گرے اس کو بھی جانتا ہے' کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں ہو اس کو بھی جانتا ہے' کوئی پتا تر ہو یا خشک اس کے روشن علم میں ہو کر لوح محفوظ میں ہے۔"

اس کے علاوہ ارشاد ہے۔

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (پ ۳ رکوع ۱)

"خدا تعالیٰ مخلوق کے آگے کی چیزیں اور واقعات اور پیچھے کی سب جانتا ہے' اور انسان بلکہ جملہ مخلوقات اس کے علم سے اسی قدر جان سکتے ہیں' جتنا وہ چاہے۔"

اس آیت کی تفسیر بتانے کے لئے بطور ایک مثال ایک چیونٹی کو سامنے رکھ لو' اس کے اعضاء کو دیکھو' اس کی ٹانگیں کتنی ہیں' آنکھیں کس مقدار میں ہیں' دل جگر

پھیپھڑا کس قدر ہے' اس کے توالدو تناسل کا کیا انتظام ہے' اس کی نانی دادی کون تھی' مَاخَلْفَھُمْ کو سامنے رکھ کر پیچھے کو چلے جاؤ' جملہ اس کے حسب و نسب ددیال نھیال کو سوچو' اس کے مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ کو سامنے رکھ کر سوچو کہ اس کی بیٹی کون ہو گی' اس کی پوتی کون ہو گی' پھر کون ہو گی تا فنائے دنیا اسی طرح مزروعہ زمین میں سے ایک گز بھر زمین سامنے رکھ لو اور سوچو کہ آج اس میں کتنی بالیں ہیں' اس میں کتنے دانے ہیں۔ مَاخَلْفَھُمْ کو سامنے رکھ کر پیچھے کو چلے جاؤ' سوچو کہ پچھلے موسم اتنی زمین میں کیا پیدا ہوا تھا' اس سے پہلے کیا تھا تا ابتدائے آفرینش۔ اسی طرح مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ کو سامنے رکھو اور سوچو کہ آئندہ موسم میں اس میں کیا پیدا ہو گا' اس کے بعد کیا ہو گا' پھر کیا ہو گا' تافنائے دنیا۔

اسی طرح ہر جاندار سے برتاؤ کرو' آج سائنس کی تحقیق ہے کہ ایک انچ بھر مربع ہوا اور پانی میں دس دس کروڑ کیڑے چلتے پھرتے ہیں' ان سب کا علم اور ان کے پہلوں او پچھلوں کا علم یہ سب خاصہ خداوندی ہے' یہ چند مثالیں بطور تمثیل کے بیان کی ہیں' ورنہ ہم اس کی تفصیل سے قاصر ہیں' کلام اللہ ہمارے قصور علم کو خود ظاہر کرتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلاَّ ھُوَ ﴾ (پ ۳۰ ع ۱۵)

"خدا کی مخلوق کو خدا ہی جانتا ہے۔"

ان سب کائنات گزشتہ او آئندہ کو جاننا علم غیب خداوندی کہلاتا ہے' یہ مسئلہ علم غیب موضوع ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے' اس تفصیل کے ساتھ ہمارا عقیدہ ہے کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ کوئی نبی' کوئی ولی' کوئی فرشتہ اس صفت سے موصوف نہیں' جو شخص کسی نبی' یا ولی کو علم غیب سے موصوف سمجھے' قرآن و حدیث کی تصریحات کی رو سے وہ شخص منکر قرآن ہے اور منکر حدیث اور حسب فتوی فقہائے حنفیہ کافر ہے' قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے ان کے حق میں علم غیب کی نفی دو طرح سے کرائی ہے۔ منطقی اصطلاح میں قیاس (استدلال) دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اقترانی اور دوسرا استثنائی۔ قیاس اقترانی کی

صورت یہ ہے۔

﴿ قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ (پ ۷ رکوع ۱۱)

"یعنی "اے ہمارے رسول دنیا کے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا اللہ کے خزانے میرے پاس ہیں۔ نہ میں غیب جانتا ہوں نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔""

یہ بیان قیاس اقترانی کی صورت میں آنحضرت سے صاف علم غیب کی نفی کرتا ہے یہ نہیں کہ آپ نے اپنی طرف سے بطور تواضع کے نفی کی ہو' بلکہ ارشاد خداوندی کے ماتحت اعلان نفی ہے' کسی کلمہ گو کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس آیت کو سن کر سمجھ کر آنحضرتؐ کے حق میں بجائے نفی غیب کے اثبات علم غیب کا عقیدہ رکھے۔ اگر ایسا کرے گا تو وہ سمجھ لے کہ وہ ان لوگوں میں ہو جائے گا' جن کا قول قرآن شریف میں مذکور ہے کہ انہوں نے کلام اللہ سن کر کہا تھا' سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ہم نے سن لیا اور نہیں مانا۔

ناظرین کرام! کس قدر صفائی سے بیان ہے کہ میں غیب نہیں جانتا' کون کہتا ہے؟ صادق مصدوق خدا کا رسول بلکہ سیدالرسل علیہم السلام کون کہلاتا ہے؟ خدائے علام الغیوب حی قیوم جل مجدہ۔ اللّٰھُمَّ امنابک و بکلامک و برسولک فاکتبنا مع الشاھدین

طلبائے مدارس عربیہ منتظر ہوں گے' کہ آیت مذکورہ میں قیاس اقترانی کیوں کر بن سکتا ہے' پس وہ سنیں اور غور کریں۔ صورت قیاس یہ ہے۔ لا اعلم الغیب (دعویٰ) لانی بشر (صغریٰ) و کل بشر لا یعلم الغیب نتیجہ وہی جو بصورت دعویٰ مذکور ہے۔

قیاس استثنائی

ہم نے ذکر کیا ہے' کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے علم غیب کی نفی کرنے میں قیاس استثنائی سے بھی کام لیا ہے' جو اہل منطق کے نزدیک اعلیٰ درجے کی دلیل ہے' چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا اَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ﴾

اہل علم جانتے ہیں لَوْ کا استعمال لانتفاء التالی لانتفاء التالی لا نتفاء المقدم ہوتا ہے' یعنی اس میں سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ پہلا حصہ کلام کا واقعہ نہیں۔ اس لئے دوسرا بھی نہیں عرب کا شاعر کہتا ہے۔

لوکنت من مزن لم تستبح ابلی

اگر میں قبیلہ مازن سے ہوتا تو میرے اونٹ چھینے نہ جاتے۔ مطلب شاعر کا یہ ہے کہ قبیلہ مازن چونکہ زبردست اور باغیرت ہے' اس لئے وہ اپنے کسی آدمی پر ایسا ظلم نہیں ہونے دیتے' پس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں' کہ اگر میں غیب جانتا تو مجھے کسی طرح تکلیف نہ پہنچتی اور میں ہر قسم کی بھلائی اپنے لئے جمع کر لیتا۔

اس آیت میں لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْب باصطلاح اہل منطق مقدم ہے' اس کا اگلا حصہ تالی ہے' یہ تالی دو جزؤں سے مرکب ہے' پہلا جز لَاَسْتَكْثَرْتُ مثبت ہے' دوسرا جز مامسنی السوء منفی ہے۔ بقاعدہ علوم عربیہ او حسب قانون منطق مثبت منفی ہو گا' اور منفی مثبت۔ پس معنی یہ ہوئے کہ چونکہ میں علم غیب نہیں جانتا اس لئے میں اپنے لئے بہت سی بھلائیاں جمع نہیں کر سکا' اور مجھے تکلیف بھی ہوئی اور ہوتی ہے' پس قیاس استثنائی کی صورت نہ ہوگی۔

لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْب (مقدم)

لَاَسْتَكْثَرْتُ۔ الخ (تالی)

لکن لم استکثر۔ الخ (رفع تالی)

نتیجہ: رفع مقدم

لان رفع التالی ینتج رفع المقدم۔

اسی مضمون کی تائید وہ حدیث ہے جو واقعہ حدیبیہ میں حضور نے ارشاد فرمائی۔ جب کفار نے عمرہ کرنے اور داخلہ مکہ شریف سے روک دیا' آپ نے فرمایا:

﴿ لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الھدی ﴾ (بخاری)

"اگر میں (رسول) پہلے (بوقت روانگی از مدینہ) جانتا جو بعد میں مکہ شریف آ

کر مجھے معلوم ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔"

یہ حدیث بھی آیت مرقومہ کی طرح قیاس استثنائی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قبل وقوعہ حضور کو علم نہ تھا' کہ آگے چل کر کیا پیش آئے گا۔

(نوٹ) ہم نے اس آیت اور حدیث کا مطلب منطقی اصطلاح میں اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے مخاطب کہا کرتے ہیں' کہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے' نہ دہبی کی۔ ہم تو علم دہبی کے قائل ہیں' نہ کہ ذاتی کے۔ منطقی اصطلاح جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ عذر غلط ہے۔ کیونکہ جس حصے (استکثار خیر اور عدم مس سوء) کو اس مقدم کی تالی خدا نے بنایا ہے' وہ ذاتی علم سے مخصوص نہیں بلکہ دہبی عطائی اور کسی کو بھی شامل ہے' مثلاً ایک شخص خود اسٹیشن امرتسر پر جا کر دیکھے کہ وہاں شیر پھر رہا ہے' تو وہ دوبارہ اس راستے نہیں جائے گا۔ یہ اس کا علم ذاتی ہے' دوسرا شخص کسی معتبر شخص سے یہ خبر سن لے تو وہ بھی نہیں جائے گا' جس طرح شیر سے بچنا علم ذاتی اور سماعی دونوں پر متفرع ہے' اسی طرح استکثار خیر اور عدم مس سوء دونوں صورتوں کو لازم ہے' قرآن مجید کی بلاغت اور اس کے دقائق پر بھی نظر کی جائے' تو اعتراف کئے' بغیر چارہ نہیں کہ یہ عذر مدعیان علم غیب کا خدائی علم میں عذر لنگ تھا۔ اسی لئے اس جواب اس نے خود ہی دے دیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کے الفاظ ہیں' جو دونوں قسم کے علم غیب کو شامل ہیں۔

مزید تفصیل اب ہم مزید تفصیل کے لئے کچھ اور بھی عرض کرتے ہیں۔ آیت موصوفہ ﴿ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ (الآیۃ) قضیہ مرکبہ کو انفکاک ترکیب کی شکل میں دکھاتے ہیں۔

(اول) لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ علما ذاتیا لا ستکثرت من الخیر۔

دو قضیہ بالکل صحیح اور مسلم فریقین ہے۔

(دوم) لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ علما وھبیا لا ستکثرت من الخیر۔

بھی بالکل صحیح اور مسلمہ فریقین ہونا چاہئے' کیونکہ استکثار خیر علم پر متفرع ہے' جس میں ذاتی اور دہبی کی کوئی تفریق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ قضیہ شرطیہ مذکورہ کی تالی

دونوں صورتوں کو لازم ہے' اسی لئے عالم الغیب منزل قرآن جل مجدہ نے بصیغہ فعل مضارع بیان فرمایا۔ جو دونوں قسم کے علموں کو شامل ہے۔

تفہیم عام یہاں تک تو ہمارا روئے سخن طلبائے مدارس عربیہ کی طرف تھا۔ اب ہم عوام کی تفہیم کے لئے کچھ عرض کرتے ہیں' ہمارا دعوی باتباع قرآن و حدیث یہ ہے' کہ آنحضرتؐ علم غیب نہیں جانتے تھے' اس کا ثبوت قرآن مجید کے الفاظ میں صاف ملتا ہے کہ ﴿لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (پ ۷ ع ۱۱) میں غیب نہیں جانتا۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ کیونکہ تکلیف پہنچنے سے پہلے مجھے علم ہوتا اور میں اس سے بچ جاتا۔ حالانکہ تکلیف پہنچی۔ سر مبارک میں زخم آیا' دانت مبارک شہید ہوئے دشمن نے کھانے میں زہر ملا دیا' جس کا اثر بھی ہوا۔

مثال کسی عالم' فاضل' محدث' فقیہ کے سامنے کوئی شخص انگریزی چٹھی پیش کر کے سوال کرے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور جواب میں مولوی صاحب فرمائیں کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ اب کیا مولوی صاحب کے کسی معتقد کا حق ہے کہ وہ مولوی صاحب کے اس کلام کی تشریح یوں کرے کہ مولوی صاحب انگریزی کے بڑے عالم ہیں اور مولوی صاحب کا انکار ان معنی میں ہے کہ میں پیدائشی انگریز نہیں ہوں۔ یہ نہیں کہ میں انگریزی جانتا ہی نہیں۔

ناظرین کرامؒ! ایسا اعتقاد اور یہ تشریح کسی طرح صحیح ہو سکتی ہے' ہر گز نہیں۔ الی اللہ المشتکی

قرآن شریف اور حدیث شریف سے ہم نے اپنے دعوے کا بالوضاحت ثبوت دے دیا۔

جوابات توہمات

ہم نے اپنے دعوے کا ثبوت قرآن کی آیات صریحہ و احادیث صحیحہ سے دے دیا۔ اثبات دعوی کے بعد ضرورت ہے کہ طائفہ غالیہ کے توہمات کا ازالہ بھی کیا

جائے' طائفہ غالیہ جو آنحضرتؐ کے حق میں علم غیب کے قائل ہیں' وہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں غیر صریحہ محتملہ کو پیش کرتے ہیں' حالانکہ طریق انصاف اور قاعدہ علم کلام یہ ہے کہ محتمل کو مصرح کے ماتحت کیا جاتا ہے' مگر یہ گروہ مصرحہ کو محتمل کے نیچے لا کر اپنے توہمات کو ثابت کرتا ہے۔

نفی علم غیب رسالت کی آیات صریحہ بکثرت ہیں' ان میں سے چند بطور نمونہ ہم نے لکھ دی ہیں' اب ہم طائفہ غالیہ کی سر دفتر دلیل کو لکھ کر جواب دیتے ہیں' ارشاد خداوندی ہے:-

وہم اول ﴿ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"خدا عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا' مگر رسولوں کو اطلاع دیتا ہے' اس آیت کو اس لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں اظہار غیب کے لئے رسولوں کو مستثنیٰ کیا ہے' تو ثابت کرتے ہیں کہ رسولوں کو علم غیب کی اطلاع ہوتی ہے۔

جواب قرآن مجید میں ﴿ ماسوی اللّٰہ ﴾ سے علم کی نفی کر کے دو طرح کا استثنیٰ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو

نمبر اول ﴿ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (پ ۳ ع ۱)

نمبر دوم ﴿ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴾ (پ ۲۹ ع ۱۲)

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"تمام لوگ اللہ کے علم سے کچھ نہیں جان سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔"

دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے:

"خدا عالم الغیب اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا' مگر اپنے پسندیدہ

رسولوں کو مطلع کرتا ہے' تو اس غیب کی حفاظت کے لئے آگے پیچھے محافظ بھیجتا ہے تاکہ خدا (علم ظہور کے طور پر) جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے' ہر چیز کو خدا نے علمی احاطہ کیا ہوا۔ اور گنا ہوا ہے۔"

پہلی آیت میں مستثنیٰ مفعول ثانی یعنی علم ہے' دوسری میں مستثنیٰ مفعول اول یعنی رسول ہے اور غیب منوی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں غیب (مستثنیٰ) سے کیا مراد ہے۔ اس کی تحقیق ہو جانے سے آیت موصوفہ کے معنی صاف سمجھ میں آسکتے ہیں۔ پس سنئے کہ پہلی آیت مومن' کافر' بالغ او نابالغ سب کو شامل ہے۔

مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ جس قدر علوم دنیا کے لوگوں کو حاصل ہوئے یا ہو رہے ہیں' عام اس سے کہ عقلی ہوں یا صنعتی۔ اس کے جاننے والے مومن ہوں یا کافر' وہ سب اِلاَّ بِمَاشَآء کے ماتحت خدا کے بتائے ہوئے ہیں۔ ان علوم کے جاننے والوں کی تخصیص نبوت یا رسالت بلکہ ایمان یا کفر سے بھی نہیں ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر ددوسری آیت کی تفسیر سنیے۔ دوسری آیت میں غیب سے مراد "وحی الٰہی" ہے' جو انبیاء کرام پر اترا کرتی ہے۔ مضمون آیت موصوفہ کا یہ ہے کہ۔

علوم شرعیہ یعنی احکام متعلقہ عقائد و فرائض وغیرہ پر خدا اپنے نبیوں کو وحی کے ذریعہ مطلع کرتا ہے کسی اور کو نہیں۔

چنانچہ ایک اور آیت ان معنی کی صاف تصریح کرتی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ (پ ۴ ع ۸)

"یعنی خدا ایسا نہیں کرے گا کہ تمہیں غیب پر اطلاع دے۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو اس کام (اطلاع علی الغیب) کے لئے چن لیتا ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔"

ناظرین متدبرین غور و تدبر سے کام لیں، تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے، صرف اتنی بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پہلی آیت میں مستثنیٰ مطلعین علی العلم عام ہیں۔ چاہے مومن ہوں یا کافر، خدا کے قائل ہوں یا منکر۔ دوسری آیت رسولوں سے مخصوص ہے، پھر یہ استثناء اگر ایک ہی قسم کا ہو تو یہ صریح تناقض ہے، کیونکہ ان دو استثناؤں کے قضایا یوں ہوں گے۔

(۱) اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کو (مومن ہو یا کافر) جتنا چاہے اپنے علم سے مستفیض کر دیتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے علم سے مستفیض نہیں کرتا بلکہ خاص رسولوں کو کرتا ہے۔

یہ دو قضایا صریح متناقض ہیں، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دونوں آیتوں پر غور کر کے اس تناقض کو رفع کریں، نہ یہ کہ کوشش کر کے تناقض پیدا کریں۔

پس ہماری کوشش یہ ہے کہ سورہ جن کی آیت اِلَّا مَنْ اَرْتَضٰی میں اَرْتَضٰی میں جس غیب کی اطلاع کا ذکر ہے۔ اس غیب سے مراد وہ ہے جو انبیاء کرام پر بصورت وحی نازل ہو۔ خواہ بصیغہ حکم ہو، جیسے اَقِیْمُوْ[1] الصَّلٰوۃَ خواہ بصورت خبر ہو جیسے ﴿ غُلِبَتِ[2] الرُّوْمُ فِی اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴾ (پ ۲۱ ع ۴)

آیت زیر بحث پر غور کیا جائے تو اپنا مطلب صاف بتاتی ہے، کیونکہ اس کے اخیر میں ذکر ہے۔

﴿ لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّھِمْ ﴾ (پ ۲۹ ع ۱۲)

خدا کو (علم ظہور سے) معلوم ہو جائے کہ ان ملائکہ محافظین نے اپنے رب کے

---

[1] نماز پڑھو۔

[2] رومی مغلوب ہو کر غالب ہوں گے۔

پیغامات پہنچا دیئے' آیت کے اس حصہ کلام سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو جو غیب دیا جاتا تھا' وہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے تھا' نہ چھپائے رکھنے کے لئے۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو یہی غیب ملا تھا' جو انہوں نے بذریعہ قرآن و حدیث امت تک پہنچا دیا' اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہی خدائی ارشاد ہے:

﴿ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾

"اے رسول جو کچھ تم پر اترا ہے' وہ سب لوگوں کو پہنچا دو۔"

اس ارشاد خداوندی کی تعمیل حضور نے ایسی کی کہ خدائی تصدیق پہنچی۔

﴿ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴾ (پ ۳۰ ع ٦)

"ہمارا رسول غیب (کی وحی) بتانے میں بخیل نہیں۔"

مطلب یہ کہ جتنا غیب ہم نے اپنے رسول کو بتایا ہے' اس نے سارا بتا دیا۔ اس میں سے کچھ رکھا نہیں۔

نتیجہ صاف ہے کہ اشیاء بریہ اور بحریہ اور واقعات یومیہ جو قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں' ان کا علم حضور علیہ السلام کو نہ تھا نہ ہے۔ اس لئے فقہاء حنفیہ نے بالاتفاق لکھا ہے' کہ حضور کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ حنفی جماعت کے عقائد کی معتبر کتاب "مائرہ" مصنفہ شیخ زین الدین حنفی اور اس کی شرح مصنفہ شیخ ابن الہمام میں یوں مرقوم ہے۔ متن اور شرح کی عبارت یکجا ملاحظہ ہو۔

((ذكر الحنفية فروعهم تصريحا بالتكفير باعتقاد ان النبى يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله والله اعلم)) (مطبوعہ مصر ص ۲۰۳)

(علمائے حنفیہ نے صاف لکھا ہے کہ جو کوئی آنحضرتؐ کے حق میں علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

یہی عبارت ملا علی قاری نے "شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵" میں لکھی ہے اور اسی کو عقیدہ صافیہ مقبولہ حنفیہ بتایا ہے۔ "فتاویٰ قاضی خاں" جو فقہ حنفیہ کی مستند اور معتبر

کتاب ہے اس میں لکھا ہے:

"رجل تزوج بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدا اور رسول را گواه کردیم قالوا یکون کفرالانه اعتقدان رسول الله صص یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء تکیف بعد الموت [1]

(جلد ۴ ص ۸۸۳)

"یعنی جو شخص اپنے نکاح وغیرہ میں اللہ و رسول کو گواہ کرے فقہاء حنفیہ اس کو کافر کہتے ہیں کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ غیب جانتے تھے حالانکہ رسول اللہ جب زندہ تھے غیب نہیں جانتے تھے تو بعد وفات کیسے جانتے ہوں گے۔"

فقہ حنفیہ کی مختصر معتبر کتاب مصنفہ قاضی صاحب پانی پتی میں مرقوم ہے:

"اگر کے بدون شہود نکاح کرد وگفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔" (مالابد)

وجہ اس کفر کی وہی ہے جو قاضی خاں کی عبارت میں مذکور ہے۔

اسی طرح دیگر کتب عقائد میں صاف صاف لکھا ہے کہ سوائے خدا کے غیب کوئی نہیں جانتا۔ ملاحظہ ہو کتاب "شرح فقہ اکبر" مصنفہ ملا علی قاری مرحوم۔ وغیرہ۔

صدق الله العلی العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاهدین

وہم دوم باوجود نصوص قرآنیہ اور تصریحات حدیثیہ کے مقابلے میں طائفہ غالیہ تنکے کا سہارا لیتا ہوا قرآن مجید کی آیات مرقومہ کے بعد چند احادیث سے بھی استدلال کیا کرتا ہے۔ ان احادیث میں اصرح اور واضح روایت وہ حدیث ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

[1] نیز ملاحظہ ہو۔ فتاوی عالمگیری (ص ۴۱۲ جلد ۲) بحرالرائق (ص ۱۶ جلد ۵)

((توضأت وصليت ما قدرلي ننعست في صلوتي فرايته وضع كفه بين كتفي حتي وجدت بردانا مله في تدي فتجلي لي كل شيئي وعرفت)) (مشکوۃ کتاب الصلوۃ فی المساجد)

"یعنی فرمایا میں نماز پڑھتے ہوئے سو گیا تو میں نے خدا کو دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی' پس ہر چیز میرے سامنے روشن ہو گئی' اور میں نے پہچان لی۔"

کہتے ہیں' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ آنحضرت کو سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ جب ایک دفعہ معلوم ہو چکا تو آپ کا علم ہمیشہ تک رہے گا۔

جواب وہم دوم

جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک خاص وقت کے جواب کا ذکر ہے' یعنی قضیہ وقتیہ مطلقہ دائمہ مطلقہ نہیں ہوتا۔

ثبوت اس کا خود حدیثوں ہی میں ملتا ہے' جن میں سے چند حدیثیں درج ذیل ہیں۔

((عن سهل بن سعدان رجلا اطلع في حجر في باب رسول الله صلى الله عليه وسلم وجع رسول الله صلى الله عله وسلم مدرى يحک به راسه فقال لواعلم انک تنظر في لطعنت في عينيک)) (بخاری، مسلم' در مشکوۃ باب مالا یضمن)

"یعنی ایک شخص پردہ اٹھا کر حجرہ مبارک میں نظر کر رہا تھا' آپ دروازہ کی طرف پیٹھ پھیرے ہوئے لوہے کے پنجہ سے پیٹھ کو کھجلا رہے تھے۔ پنجہ ہاتھ سے رکھ دیا اور پیٹھ پھیر کر جو دیکھا تو فرمایا۔ اگر پہلے میں جانتا کہ تو اندر دیکھ رہا ہے تو میں یہ پنجہ آہنی تیری آنکھ پر مارتا۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اسے دیکھنے سے پہلے اس کی نظر ڈالنے کا علم نہ تھا۔ اور سنئے!

((عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يهريق

الماء فیتمم بتراب فاقول یا رسول اللہ ان الماء منک قریب یقول ما یدریتی لعلی لا ابلغہ)) (مشکوٰۃ باب المال والعمر)

"یعنی ابن عباس نے کہا، آنحضرت کبھی کبھی شہر سے باہر جاتے اور پیشاب کر کے تیمم کر لیتے، میں عرض کرتا حضور پانی آپ سے قریب ہی ہے، فرماتے مجھے کیا معلوم میں وہاں پہنچ سکوں یا نہ۔"

یہ حدیث بھی اپنا مطلب صاف بتا رہی ہے کہ آنحضرت کو علم غیب نہ تھا۔ ورنہ ایسا نہ فرماتے۔

مدینے شریف کے واقعات میں بڑا واقعہ حضرت عائشہؓ پر بہتان اور افک کا تھا، جس کے باعث بوجہ عدم علم کے کئی دنوں تک متفکر رہے۔ کبھی کسی سے دریافت کرتے کبھی کسی سے یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ جیسی پیاری بیوی سے کشیدہ خاطر رہنے کے باعث اس کی بیماری کا حال خندہ پیشانی سے نہ پوچھتے۔

اسی طرح حدیبیہ کا واقعہ بھی ہمارے عقیدے کی تائید ہے، کیونکہ اس میں حضور ﷺ نے صاف فرمایا تھا۔

((لو استقبلت من امری ما استدبرت ماسقت الھدی))

"یعنی جو واقعہ (کفار کی طرف سے روکا جانا) مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔" (یہ حدیث صفحہ ۲۳ پر گزر چکی ہے۔)

اس قسم کے بیشمار واقعات صاف بتا رہے ہیں، کہ آنحضرتؐ کے حق میں طائفہ غالیہ کا عقیدہ دوبارہ علم کلی صحیح نہیں ہے، بلکہ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ محض کذب اور افترا ہے۔

پس طائفہ غالیہ کی پیش کردہ حدیث ایک تو خواب کا واقعہ ہے۔ دوسرے وہ آنی (وقتی) ہے، دائمی نہیں ہے، اس مضمون کو شیخ سعدیؒ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں خوب لکھا ہے۔

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال مابرق جہان است
دمے پیدا و دم دیگر نہان است
گہے برطارم اعلے نشینم
گہے برپشت پائے خود نہ بینم

استعانت اور اعانت من غیراللہ

چونکہ ایاک نستعین خوانی
پس چرا غیررا معین دانی

یہ تیسرا مسئلہ توحید کا جزء اعظم ہے' خاص اس مسئلہ میں فرقہ عادلہ اور عالیہ میں شدید اختلاف ہے۔ بغور دیکھا جائے' تو طائفہ عادلہ کا دعویٰ غالیہ کو منظور غالیہ کا دعویٰ عادلہ کو مسلم نہیں۔ اس لئے دلیل پیش کرنا طائفہ عادلہ کا فرض ہے' اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ توحید الٰہی مسلمہ نصاریٰ اور اہل اسلام ہے مگر توحید کے ساتھ تثلیث کا اعتقاد اہل اسلام کو مسلم نہیں۔ لہٰذا تثلیث کا ثبوت دینا نصاریٰ پر فرض ہے' اسی طرح فرقہ غالیہ تسلیم کرتا ہے' کہ دنیا کا مالک و متصرف خدا ہے' باوجود اس عقیدے کے یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ:

"آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' تمام جہان حضور کے زیر حکومت و تصرف ہے' جو چاہیں کریں' جسے جو چاہیں دیں' جس سے جو چاہیں۔ واپس لیں"

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوال کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

پس یہ زیارت مثل زیادت تثلیت کے ہے' جس کا ثبوت دینا طائفہ غالیہ کا فرض ہے' حق تو یہ ہے کہ طائفہ عادلہ بالکل خاموش ہے' اگر خاموشی میں غالیہ سے اس کے اس عقیدے پر دلیل طلب کرنے پر کفایت کرے' تو حسب قانون علم کلام اس پر کوئی عتاب یا سوال نہیں ہو سکتا' لیکن جس طرح قرآن مجید میں الوہیت مسیح پر نصاریٰ سے دلیل مانگنے کے علاوہ اس کے ابطال پر خود دلیل بلکہ دلائل پیش کئے ہیں' اسی طرح ہم بھی سبقت کر کے فرقہ غالیہ کے غلط خیالات کا ابطال کرتے ہیں۔ پس وہ

سنیں۔

قرآن مجید کی رو سے بعض کام ایسے ہیں جن میں ایک انسان دوسرے کی مدد کر سکتا ہے' مثلاً (۱) بیمار کے لئے معالج کا بلانا (۲) دوا لا دینا (۳) روپیہ پیسہ سے کسی کے کام آنا (۴) کسی کے کام میں سعی و سفارش کرنا وغیرہ۔ ایسے کاموں میں ایک دوسرے سے مدد مانگنا اور مدد کرنا جائز ہے بلکہ حکم ہے' ارشاد ہے:

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ﴾ (پ ٦ ع ٥)

"نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

ان کاموں کے علاوہ ایسے کام بھی ہیں' جو قدرت کاملہ الٰہیہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں' ان کی تفصیل یہ ہے: ❶ اولاد بخشنا ❷ بیمار کو صحت دینا ❸ رزق فراخ کرنا وغیرہ۔ یہ سب کام انسانی قدرت سے بالاتر ہیں' ان میں کسی مخلوق سے مدد مانگنا جائز نہیں' یہ ہمارا عقیدہ ہے' اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں بالفاظ صریحہ ملتا ہے' اسی قسم کے متعلق ارشاد ہے۔

﴿ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾

"اے خدا ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

پہلے دعوے کا ثبوت یہ آیت ہے:

﴿ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴾ (پ ۲۵ ع ٦)

"یعنی خدا ہی جسے چاہے لڑکیاں دے جسے چاہے لڑکے بخشے' جسے چاہے دونوں دے' جسے چاہے بانجھ کر دے۔ وہ خدا بڑے علم والا بڑی قدرت والا ہے۔

یہ آیت اپنا مضمون صاف بتاتی ہے کہ اولاد بخشنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں یہ فعل خاص خداوندی ہے' گو اس مضمون میں کسی تائید کی ضرورت نہیں تھی' مگر چونکہ علم الٰہی میں تھا' اور ہے کہ مشرک لوگ بزرگوں سے اولاد مانگا کرتے تھے اور مانگتے ہیں' چنانچہ ان کا نام بجائے اللہ دتا یا اللہ دیا کے پیراں دتا یا پیر بخش' نبی بخش'

وغیرہ رکھ دیتے ہیں' لہٰذا خداوند تعالیٰ نے انبیاء کرام میں سے دو نبیوں کو بطور نمونہ پیش فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے اولاد پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو ان کی بیوی نے کہا:

﴿ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ﴾ (پ ۱۲ ع ۷)

کیا میں جنوں گی؟ حالانکہ میں بانجھ ہوں اور یہ میرا خاوند (ابراہیمؑ) بوڑھا ہے۔ فرشتے نے جواب میں ابراہیمی قدرت کو پیش نہیں کیا' بلکہ خدائی قدرت کو پیش کرتے ہوئے کہا:

﴿ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (پ ۱۲ ع ۷)

"اے بی بی! تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے' (یاد رکھ خدا قادر قیوم ہے' جو چاہے کر سکتا ہے)۔"

معارضہ اس موقع پر غالیہ کی طرف سے بطور استدلال یا معارضہ حضرت مریم کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے' جس میں ذکر ہے کہ جبرئیل نے جو انسان شکل میں آیا تھا مریم کو کہا:

﴿ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴾ (پ ۱۵ ع ۶)

"میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے پاک لڑکا ہبہ کروں (بخشوں)"

اس استدلال کی تقریر یوں کرتے ہیں کہ جس طرح جبرئیل فرشتہ لڑکا دے سکتا ہے' اسی طرح انبیاء اولیاء بھی دے سکتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ اس شبہ کا جواب اسی آیت میں مذکور ہے' حضرت مریم نے جبرئیلؑ کے جواب میں کہا:

﴿ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ﴾ (پ ۱۶ ع ۵)

"مجھے لڑکا کیسے ہو گا' مجھے تو کسی بشر نے چھوا نہیں۔"

یعنی میں کنواری ہوں' اس کے جواب میں فرشتے نے جو کہا وہ طائفہ عادلہ اور غالیہ میں فیصلہ کن ہے۔

﴿ قَالَ كَذَالِكَ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾

(سن) تیرے پروردگار نے فرمایا ہے' کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے۔

مقام غور اور محل انصاف ہے کہ مریم کے استعجاب کرنے پر جبرئیل نے جواب میں اصل مالک متصرف خدا کو پیش کیا' ثابت ہوا کہ پہلی آیت میں جو لڑکا ہبہ کرنے کا ذکر ہے' اس کا فاعل دراصل جبرئیل نہیں۔ بلکہ جبرئیل کو رسول بنا کر بھیجنے والا خداوند تعالیٰ ہے' چنانچہ جبرئیل نے کہا تھا۔

﴿ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلِ رَبِّكِ ﴾

میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (ایلچی) ہوں' (نہ خود مالک و معطی)

ثابت ہو گیا کہ طائفہ غالیہ کا خیال جڑ بنیاد ہی سے غلط ہے۔

دوسری مثال حضرت زکریا علیہ السلام کی ہے' جو باوجود نبی اور رسول ہونے کے اپنے لئے اولاد خود پیدا نہیں کر سکے' بلکہ نہایت عاجزی اور الحاح سے خدا کے حضور دعا کرتے ہیں۔

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ﴾ (پ ۳ ع ۲۲)

"اے مولا! مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد بخش تو دعاء سننے والا ہے"

دیکھئے کس لجاجت الحاح اور زاری سے دعا کرتے ہیں' ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کو بھی کسی کو اولاد دینے کا اختیار نہ تھا' یہ کام محض قدرت کے قبضے میں ہے۔ اس لئے اولاد کی طلبی کسی غیراللہ سے (نبی ہو یا ولی) ہرگز جائز نہیں۔

یہ صرف ایک کام ہے جو ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کے ماتحت ہے۔

دوسرا کام بیماری کی شفاء یہ دراصل خالقیت کی صفت پر متفرع ہے' کیونکہ بیمار میں صحت پیدا کرنا ایک قسم کی خلق ہے اور خلق خاصہ خداوندی ہے ارشاد ہے:

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ ﴾ (پ ۲۲ ع ۱۳)

"کیا اللہ کے سوا اور کوئی خالق ہے؟؟"

﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ وَ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾

"کہہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ اکیلا ہی سب مخلوق پر ضابط ہے۔"

اس قسم کی بے شمار آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالقیت عامہ خدا کے قبضے میں ہے، کسی مخلوق کو نبی ہو یا ولی اس میں دخل نہیں۔

خاص شفاء صحت اور شفاء مریض کی بابت تو صاف الفاظ میں اپنے خلیلؑ صلوۃ اللہ علیہ کی زبانی اعلان کرا دیا۔

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ (پ ۱۹ ع ۹)

"میں جب کبھی بیمار ہوتا ہوں وہی (اللہ) مجھے صحت بخشا اور شفا دیتا ہے۔"

پس ہمارا یہ دعویٰ بھی بلا ریب ثابت ہے۔

تیسرا کام رزق کی فراخی کراتا ہے، اس کی بابت بھی صاف ارشاد ہے۔

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَاٰيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (پ ۲۱ ع ۷)

"کیا یہ مشرک غور نہیں کرتے کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے، رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسکے لئے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایمانداروں کے لئے بہت سے نشان ہیں۔"

نیز ایک جامعہ دعا میں ایماندار بندوں کو تعلیم فرمائی کہ تم یہ کہا کرو:

﴿ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (پ ۳ ع ۱۱)

"اے خدا تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

اس کے علاوہ واقعات زمانہ رسالت بتا رہے ہیں کہ بعض اوقات صحابہ کرام پر رزق کی تنگی اتنی تھی کہ بھوک کے تکلیف سے پیٹ پر پتھر باندھ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی حالت کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: دیکھو میرے پیٹ پر دو پتھر رکھے ہیں۔ (مشکوۃ شریف) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

یہ مسئلہ بھی ایسا ثابت ہے کہ کسی مومن کو تو کیا کافر کو بھی انکار نہ ہوگا۔

متفرقات یہ تین اقسام ہم نے اصولاً بتائے ہیں' باقی سب ان کی شاخیں ہیں۔ مثلاً (۱) درازی عمر (۲) ضرر کو دفع کرنا (۳) دشمن پر فتح یا دفع بلا (۴) طوفان سے نجات وغیرہ۔ قرآن مجید میں ان سب کاموں کو خدا کے قبضے میں بتایا ہے۔

عمر کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ﴾ (پ ۱۳ ع ۱۲)

"ہر چیز کی عمر خدا کے ہاں لکھی ہوئی ہے' جس کو خدا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔"

پھر کسی کی کیا مجال کہ اس کے کام میں دخل دے۔

❷ اس امر کی بابت بھی صاف ارشاد ہے:

﴿ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ (پ ۱۱ ع ۱۶)

"اگر اللہ تم کو ضرر پہنچائے' تو کوئی شخص اس ضرر کو دور نہیں کر سکتا' اور اگر وہ تمہارے حق میں خیر چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔"

یہ آیت بصراحت اس فعل کو خدائی قبضے کے ماتحت بتاتی ہے' غور کیجئے کہ لا نفی جنس کا ہے' جس میں ہر ایک غیر خدا داخل ہے' مطلب یہ ہے کہ تکلیف کو دور کرنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں۔

(۳) اس کام کی بابت بھی صاف ارشاد ہے:

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَالَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ﴾ (پ ۴ ع ۸)

"یعنی اگر خدا تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ تم کو ذلیل کرنا چاہے تو کون ہے' جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔"

بحمد اللہ یہ آیت عادلہ اور غالیہ میں فیصلہ کن ہے۔

(۴) یہ واقعہ تو ہم نے خود دیکھا۔ سفر حج سے واپسی پر ہمارا جہاز طوفان میں گھر گیا۔ اس میں جو حاجی سوار تھے' ان میں سے بعض طوفان سے نجات کی درخواست خواجہ خصر سے کرتے تھے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ قرآن مجید میں اس کی بابت کیا ارشاد ہے سنو؟

﴿ اِنْ نَّشَاء نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَاهُمْ يُنْقَذُوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴾ (سورہ یٰسین ع ۳)

"اگر ہم (خدا) چاہیں تو ان کو غرق کر دیں' پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہو نہ وہ بچائے جائیں۔ ہاں ہماری رحمت دامن گیر ہو اور ان کو ایک وقت تک زندہ رکھ کر گزارہ دینا چاہیں' تو بچ سکتے ہیں"

یہ آیت اپنا مطلب بآواز بلند ظاہر کر رہی ہے کہ طوفان سے بچانا خاص قبضہ قدرت میں ہے' کسی انسان کے بس میں نہیں۔ مولانا حالی مرحوم نے کیا ہی سچ کہا ہے:

طوفان میں جب جہاز ہے چکر کھاتا
جب قافلہ وادی میں ہے لڑکھڑاتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا
واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

المختصر قرآن مجید نے دنیا میں تصرف الٰہی کو تفصیل سے بتا کر بالاجمال یہی بتایا ہے' جو سورہ یٰسین میں ارشاد ہے۔

﴿ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

"اللہ تعالیٰ ہی پاک ذات ہے' ہر چیز اسی کے قبضے میں ہے اور تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔"

یہ سارا مضمون کلمہ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ میں داخل ہے۔ اس کی تفصل کے لئے ہمارا رسالہ "کلمہ طیبہ" دیکھئے۔

فرقہ غالیہ کو غالباً یہ سارا مضمون مسلم ہو گا یا ہونا چاہئے' کیونکہ وہ بھی دنیا کا حقیقی اور بالذات متصرف خدا ہی کو مانتے ہیں' اس کے ساتھ انبیاء اولیاء خصوصاً آنحضرت ﷺ کو .عطاء الٰہی متصرف کہتے ہیں' یعنی بقول ان کے خدا نے آنحضرت ﷺ کو اپنا نائب فی التصرف قاضی الحاجات بنایا ہے۔ سو غور کیا جائے' تو یہ ایک دعویٰ ہے جس کا ثبوت ان کے ذمہ ہے' پس ان کا فرض ہے کہ ہماری طرح نصوص صریحہ سے اپنے دعوے کا ثبوت دیں' ورنہ ہم سے اپنے دعویٰ کی تردید سن کر توحید خالص اختیار کریں۔ سنئے۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ متفقہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری دنیا میں افضل ہیں۔ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جو وصف افضل میں نہ ہو وہ ادنیٰ میں نہیں ہو سکتا۔ افضل الناس علیہ السلام کے حق میں خدا نے صاف فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ (پ ۲۹ ع ۱۲)

"یعنی اے ہمارے افضل الرسل تم لوگوں کو کہہ دو کہ میں تمہارے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' ہاں یہ بھی کہہ دو کہ مجھے بھی اللہ کی پکڑ سے کوئی بچا نہیں سکتا' اور میں بھی اس کے سوا کہیں پناہ نہیں پاتا۔"

جل جلالہ!

وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار
نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار